ڈاکٹر جمشید علی
لیکچرار، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف چکوال

سمیع آہوجا کے افسانوں میں تیسری دُنیا کے مسائل کی پیشکش

Dr. Jamshaid Ali
Lecturer (Urdu), University of Chakwal.

Description of Third World Problems in Sami Ahuja's Fiction

Sami Ahuja has highlighted the issues of third world in his fiction. He showed the miserable condition of Sudan, Palestine, Lebnon, Iran, Afghanistan, Pakistan, India, Bengal and In Particular Punjab very effectively in historical, geographical and political perspective. He also described the freedom struggle of local Patriotic persons against the evil intentions of imperial powers to capture the resources of third world .He tried to convince through his fiction that chains of slavery facing humanity for centuries is still present in its new form in disguise of the activists of Western capitalists .Even today in the age of enlightenment, The Imperialist forces in the name of globalization have enslaved the people of third world.

Key Words: *Historical consciousness, third World, Palestine conflict, socialist, Imperialism.*

جب ہم کسی تخلیق کار کے تخلیقی سرمائے کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے ہاں اکثر محققین اور ناقدین کی زبان پر یہ جملہ ہوتا ہے کہ فلاں تخلیق کار نے اپنے افسانوں کے موضوعات اپنے اردگرد پھیلی ہوئی زندگی سے چُنے ہیں اور انہیں بڑی چابکدستی سے بیان کیا ہے۔ چونکہ سمیع آہوجا نے روایتی افسانے کے گھسے پٹے موضوع اور بوسیدہ تکنیک سے بغاوت کرتے ہوئے اُردو افسانے میں عالمی مسائل شامل کرکے اس کا کینوس وسیع کر دیا ہے اس لیے مذکورہ جملہ عہدِ حاضر کے اس بڑے افسانہ نگار کے سامنے بہت چھوٹا پڑ جاتا ہے۔ سمیع آہوجا کا موضوعاتی تنوع نئے افسانہ نگاروں کے لیے نئی راہیں تلاشنے اور وقوعے کو مختلف زاویوں سے دیکھنے میں رہنمائی کرے گا۔ان کے افسانوں کا مطالعہ کرنے کے لیے قاری کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔ ان کے افسانوں میں تاریخی شعور خون کی طرح رچا بسا ہے۔ یہ تاریخی شعور صرف ماضی کے کسی ایک پہلو کے گرد نہیں گھومتا بلکہ اس کا دائرہ کار

وسیع ہے۔ اس میں سیاسی و سماجی اور تہذیبی و تمدنی جڑوں کی تلاش بھی ملتی ہے اور لمحۂ حال پر بیتتے ہوئے حادثات کے اثرات اور ان کی پرچھائیاں بھی اپنی اصل صورت میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ وہ گزرے ہوئے واقعات کی نوعیت اور اثرات کو عصری صورتحال میں زمانۂ موجود کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں عالمی سطح پر ہونے والی سامراجی سازشیں بے نقاب نظر آتی ہیں۔ ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

> "سمیع آہو جا بین الاقوامی ظالم طاقتوں کے پھیلائے جالوں کو کاٹنے کے متمنی ہیں۔ سماجی اونچ نیچ کے سسٹم کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ قومی اور وطنی آزادی کو نہ صرف اپنے علاقے میں مستحکم کرنے کی تمنا کا اظہار کرتے ہیں بلکہ دُنیا میں جہاں کہیں انسانوں اور قوموں کو غلام بنایا گیا ہے ان کی آزادی کے لیے بھی تڑپتے ہیں۔ دولت کی ریلے ریس میں مصروف سماجوں اور اشیا پرست انسانوں کے لیے ان کے دل میں کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ وہ مجبوروں کے حوصلوں کی داد دیتے ہیں اور جابروں کے صفائے کے طالب ہیں۔" (۱)

سمیع آہو جا نے تیسری دُنیا بالخصوص فلسطین، لبنان، افریقہ، ایران، افغانستان، بنگال اور پنجاب کی دگرگوں صورتحال کو اپنے اکثر افسانوں کا بنیادی موضوع بنایا ہے۔ ان میں انہوں نے اپنے ذاتی کرب کو اجتماعی کرب کے قالب میں ڈال دیا ہے۔ چونکہ ان کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ بے حد وسیع اور تہہ دار ہے اس لیے ان کی افسانوی کائنات میں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں استعماری چالبازیوں کے نتیجے میں اُبھرنے والے انسانی مسائل کو تہذیبی تناظر میں دیکھا ہے۔ اس سلسلے میں فلسطین پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خلاف مزاحمتی رویے کے افسانے بہت اہم ہیں۔

سمیع آہو جا کے ابتدائی دور کے افسانوں کا بنیادی موضوع مسئلہ فلسطین رہا ہے۔ ان کے ہاں ارضِ فلسطین پر اسرائیلیوں کے جارحانہ عزائم کے نتیجے میں تباہ ہونے والی بستیوں اور یہودیوں کا اپنے مذہبی احکامات سے انحراف کرتے ہوئے فلسطین پر قبضے کی ہوس میں قتل و غارت کرنے کے واقعات اپنی حقیقی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔ اپنے ہی وطن میں اجنبی بن کر جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے والے فلسطینیوں کا المیہ ''اپنی مٹی میں بن باس'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سرزمین فلسطین پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خلاف سمیع آہو جا نے اپنے جن افسانوں میں احتجاج کیا ہے۔ ان میں ''اپنی مٹی میں بن باس''، ''سمندر کا پیٹ''، ''تتلی کا جنم''، ''پور پور بلٹ، ٹنل

جسم، آوازیں''، ''پھٹا خیمہ میرا آسمان''، ''ٹوٹے پل کا رشتہ'' اور ''شطرِ روم کا پائلٹ پروجیکٹ نمبر ایک'' شامل ہیں۔ ''سمندر کا پیٹ'' میں غلامی کی کیفیات اور معدنی وسائل پر نظر جمانے والے سامراجی پنجوں میں غلاموں کی بے بسی کا اظہار ملتا ہے۔ اس میں مظلوم فلسطینیوں کی زمین ہتھیا کر ان پر فوجی چھاونیاں بنانے، محنت کشوں اور نوجوانوں کا اسیری میں رہ کر بہیمانہ تشدد سہتے سہتے بیمار اور بوڑھے ہو جانے کا المیہ بیان ہوا ہے۔ اس میں فاضل افسانہ نگار نے مظلوم فلسطینیوں کا صہیونی بدیسیوں سے اپنی زمینیں چھڑانے کے لیے گوریلا کارروائیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس افسانے کو ویت نام سے متعلق بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

"تتلی کا جنم" فلسطین میں معصوم بچوں کی قربانیوں کا المیہ ہے، جہاں والدین اپنے جگر گوشوں کو اپنے سامنے دم توڑتے دیکھتے ہیں اور ان کے لاشے انہیں خود دفنانے پڑتے ہیں۔ اس افسانے میں بچوں پر پڑنے والے جنگی اثرات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ کا اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کے لیے لے جانے والا واقعہ بھی تلمیحاً بیان ہوا ہے۔ ''پور پور بلٹ، ٹنل جسم، آوازیں'' میں مقہور قوموں کی بے بسی، مرد و عورت پر جنگ کے اثرات اور جنگ کی تباہ کاریوں سے خاندانی نظام کو بری طرح متاثر ہوتا دکھایا گیا ہے۔ یہاں لوگوں کی پور پور میں سے گولیاں گزر چکی ہیں اور انہیں بے بسی کے گھیراؤ سے نکلنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی، جبکہ ان کے چاروں اطراف دھماکوں کی آوازیں اور ان کے ضمیر کی آوازیں آپس میں مدغم ہو گئی ہیں۔ اس افسانے کا عنوان اس ساری صورتحال کا عکاس ہے۔ ''پھٹا خیمہ میرا آسمان'' میں فلسطین اور لبنان پر مسلط جنگ، اس کی تباہ کاریوں اور بڑی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جنگی حالات کے پیش نظر لوگوں کے سروں پر منڈلاتا خوف و ہراس، توپ ٹینک اور ہیلی کوپٹروں سے ہونے والی گولہ باری، زخمیوں کی آہ و بکا، لاشوں کے انبار، ہرے بھرے باغات اور فصلوں کو روندتے ہوئے فوجی دستے، بلڈوزر پھری بالکل الف ننگی زمینیں، اُجڑتی مانگیں، بین کرتی عورتیں اور بلکتے بچے، استعماری قوتوں کی اسلحے اور طاقت کے نشے میں توسیع پسندی کا اظہار ہیں۔

مسئلہ فلسطین کو اس کے تاریخی، جغرافیائی مذہبی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی تناظر میں دیکھنے کے لیے سمیع آہو جا کا افسانہ ''ٹوٹے پل کا رشتہ'' قابل قدر ہے۔ یہودیوں کے متعصبانہ رویے اور مکر و فریب کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے توسیع پسندانہ عزائم جن کی بنیاد وہ ''تالمود'' پر رکھتے ہیں کی صراحت کی گئی ہے۔ بنی اسرائیل اور یہودیوں کی شروع سے لے کر اب تک کی عمومی تاریخ قلم بند کی گئی ہے۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ڈھائی ہزار

سالہ غلامی نے یہودیوں کو بے حد ذلیل، بے حس اور انتقامی بنا دیا ہے اور انہوں نے ہمیشہ اپنے ہی محسنوں کو زِک پہنچانے اور ڈسنے کی کوشش کی۔

مسلمانوں کے زیر تسلط علاقوں جیسے تُرکیہ، اندلس اور فلسطین وغیرہ میں یہودیوں کو مکمل آزادی اور چین سے رہنے کا حق دیا گیا لیکن انہوں نے برطانوی اور امریکی پشت پناہی سے مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے، ان کا وسیع تر قتلِ عام کیا اور ان کی زمینوں پر قبضہ کیا۔ جس کی واضح مثال ارضِ فلسطین پر ناجائز ریاست اسرائیل کا قیام ہے۔ اس دوران عرب اور اسلامی ممالک نے اپنے فلسطینی بھائیوں سے مکمل بے رُخی اختیار کیے رکھی۔ فاضل افسانہ نگار کے نزدیک یہ رویہ قابلِ مذمت ہے۔ اس میں ضیاالحق کا کردار بطور بر گیڈیئر شرمناک ہے۔ اُردن میں نہتے فلسطینیوں کے خلاف فوجی طاقت استعمال کرنے کی بنا پر اسے انتہائی قابلِ مذمت ٹھہرایا گیا ہے۔ اس افسانے میں یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ بعد ازاں اِسے اس قتلِ عام کے صلے کے طور پر ترقی اور اقتدار سے نوازا گیا۔ اس طرح افسانہ نگار نے پاکستانی بیوکریٹ قدرت اللہ شہاب کے کردار کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ جس نے ڈوگر حکّام اور انگریزوں کی بے انتہا چاپلوسی کر کے آئی سی ایس کا پٹا حاصل کیا، جو کہ انگریز کی وفاداری کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اسی طرح خلافِ ضابطہ اس کی اسرائیل میں موجودگی اور جواز پر بھی سوال اُٹھایا ہے۔

جنگِ عظیم اوّل کے بعد سلطنت عثمانیہ کا برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے ہاتھوں ٹکڑوں میں تقسیم ہونا اور عرب ممالک کا وجود میں آنے کے ساتھ ہی امریکی غلامی میں جکڑے جانے سے اسرائیل کی حمایت میں اہل عرب کا اپنے فلسطینی بھائیوں سے بے رخی اور بے حسی "شطِ روم کا پائلٹ پروجیکٹ نمبر ایک" کا موضوع ہے۔ یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری کی سازشوں کو فاضل افسانہ نگار نے جس مؤثر انداز میں سچائی کے ساتھ افسانوی پیرائے میں پیش کیا ہے یہ صرف ان ہی کا خاصہ ہے:

> "دورانِ جنگ عظیم میں ہی پورے یورپ اور یو ایس ایس آر سے صدیوں پرانے رہائشی یہود کو یوم کپور میں پھونکتے اور ارضِ موعود کو لوٹ جانے کی دُعاؤں سنگ ہیکل کا نخلخہ سنگھاتے، دودھ اور شہد سے لدی پھندی ارضی چاہت کو مذہبی تقدس میں لپٹی مہاجرت میں رنگتے سن سینتالیس تک ڈیڑھ پونے دو لاکھ اسرائیلی برطانوی مقبوضہ قبرص میں قدیمی سلمس نامی کھنڈرات کے قریب لبِ سمندر کیمپوں میں جمع کرتے ہوئے فلسطین سمگل کرتے رہے۔"(۲)

صہونیوں نے فلسطینیوں کے معاشی وسائل کی مکمل تباہی کی تاکہ وہ ان کے آگے دستِ بھیک دراز کریں۔ دوسری طرف سمیع آہو جانے عربوں کا عیش و عشرت میں غرق ہونے، شراب اور عورت کی خریداری کے لیے دولت لٹانے اور جنسی تلذذ کے رسیا ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے زمانۂ قدیم سے ہی فلسطین کی تاریخی تناظر میں جغرافیائی حدود اور عرب خطے میں اس کی اہمیت، آثار قدیمہ، سمندری راستوں اور بندر گاہوں سے متعلق بہت سی معلومات بھی دی ہیں۔ یہود نے جن جن چالوں اور راستوں سے مظلوم فلسطینیوں کی رگوں پر اپنے خونی پنجے گاڑھے ہیں، ان کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ حریت پسند گوریلوں کو اپنی سر زمین آزاد کرانے کے لیے بہترین نقشہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ خود سمیع آہو جانے اپنے افسانے میں یہ اظہار کیا ہے کہ "یہ افسانہ تو مروجہ اصولوں سے ہٹ کر محکوم و مجبور اور لاچار لوگوں کے لیے اپنی سر زمین کو غاصبوں سے چھڑانے کی خاطر اپنی پسند اور مہارت کے بل نئے میدانِ جنگ کا چناؤ، مجادلہ اور معرکہ زنی سے فتوحات کے دروا کرتا ہے۔" (۳) دراصل مسئلہ فلسطین کے موضوع پر لکھے گئے یہ افسانے یورپین طاقتوں کی ان عظیم سازشوں اور منصوبوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ جن کے تحت فلسطینی مسلمانوں کے سینے میں اسرائیلی خنجر گھونپا گیا ہے۔ سمیع آہو جا کا افسانہ "بلدِ زمہریر کے روندتے سوار" کا غاصبانہ طرزِ حکومت، طاقت کے بے دریغ استعمال، سامراجی نظام کے پھیلاؤ، عورت کی عصمت دری اور جنسی استحصال، قدرتی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں فلسطینی بستیوں کی لرزہ خیز تباہی، برصغیر میں فرنگیوں کی شاطرانہ مداخلت اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی جیسے موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔

سمیع آہو جا کے تین افسانے جنہیں پہلے "رہائی" کے عنوان سے لکھا گیا تھا۔ ان میں "نقارچی"، "آنکھیں" اور "جنگل" شامل ہیں۔ ان تینوں افسانوں کا موضوع برطانوی سامراج کے خلاف افریقی ممالک کی جدوجہد آزادی ہے۔ استعمار، استحصال، افلاس، غلامی کی زنجیریں توڑنے کی تمنا، صبح آزادی کا انتظار اور ایک نئی دُنیا کا خواب سمیع آہو جا کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ ان افسانوں کا پس منظر براعظم سوڈان کا وہ علاقہ ہے جہاں برطانوی سامراج قدرتی وسائل کے حصول کی ہوس میں مقامی لوگوں پر غیر متمدن کا لیبل لگا کر قابض ہے۔ آج آزادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والا برطانیہ کس کس طرح سے کمزور اقوام کو غلامی کی چکی کے دونوں پاٹوں میں پیتا رہا، اس کا اصل مکروہ چہرہ ہمیں ان افسانوں میں ملتا ہے کہ "لیکن بھیا پتا ہے وہ ہمیں کہتے کیا ہیں؟ جنگلی، وحشی، خونخوار، درندے ہماری ہی لاشوں کو روندنے والے، ہمیشہ تمدن ہی کی لگام ہمیں ٹھونستے ہیں۔" (۴) ان افسانوں میں "کالی چڑیا" سیاہ فام افریقیوں کی تحریک آزادی کی علامت ہے۔ افریقی اقوام کو اپنے حقوق سے محرومی کا احساس اور غلامی کا طوق اُتار کر

سامراجیت کے خلاف گوریلا کاروائیوں میں خاطر خواہ کامیابی، افریقہ کی بہت جلد صبح آزادی کا پیغام ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "اس کی افسانوی کائنات میں چونکہ بعض امیجز بار بار آتے ہیں گولہ بارود، ٹینک اور تشدد سے ویران ہوتے کھیت، کوڑوں سے ادھڑتی کمریں، گم ہوتی ہوئی آواز، بکھرتے ہوئے انسانی عزائم اور ریزہ ریزہ ہوتی انسانی آرزوئیں، اس لیے اس کے افسانوں کے مجموعی تاثر کی تفہیم تذلیل مسلط کرنے والے نظام کے شکار لوگوں کے لیے زیادہ مشکل نہیں رہتی ہے۔ سمیع آہو جا کا وژن بین الاقوامی ہے، وہ ملکی صورت حال کو مقامی قوتوں کی منشاء اور ارادے کا کھیل نہیں سمجھتا بلکہ وہ سامراجی ممالک کے پھیلائے دام میں جکڑی تیسری دُنیا کو دیکھتا ہے، جہاں آزادی اور خوش حالی سامراجی ملکوں کے مقامی ایجنٹوں کی آمریت تلے سسک رہی ہے اور عوامی امنگوں کو کچلنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک اپنے ''دوست'' ممالک کی جانب دھڑا دھڑ اسلحہ روانہ کر رہے ہیں۔" (۵)

سمیع آہو جا نے برصغیر میں مختلف اوقات میں آنے والے حملہ آوروں پر سخت تنقید کی ہے۔ ان کے اکثر افسانوں میں یہ رجحان موجود ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے افسانوں میں برصغیر پاک و ہند کی سرزمین سے متعلق مختلف حالات و واقعات اور سرگرمیوں کی تاریخی دستاویز قاری کے لیے پیش کر دی ہے۔ اس حوالے سے ان کا افسانہ ''ژاژ ژندژیاں'' قابل ذکر ہے۔ اس میں فاضل افسانہ نگار نے برصغیر پاک و ہند کی طرف وسط ایشیا، ترک اور عرب علاقوں سے آنے والے حملہ آوروں کا تفصیلی ذکر کیا ہے کہ محمود غزنوی، تیمور لنگ اور نادر شاہ وغیرہ نے ملک گیری کی ہوس میں مال و متاع اکٹھا کرنے کی خاطر مذہبی آڑ میں ہندوستان کو اپنا نشانہ بنایا، افسانہ نگار نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے مختلف تاریخی کتب کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں انہوں نے مقامی کلچر پر فخر کرتے ہوئے تاریخی شہادتوں کے ذریعے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دوسری دُنیا نے ہمارے علم و فضل اور معاشی وسائل سے بے پناہ فائدہ اُٹھایا ہے اور اس کے بدلے میں ہمیشہ یہاں کے باسیوں کو بازورِ بازو شمشیر مغلوب کرنے کی کوششیں کیں۔ قاری کے سامنے سوشلسٹ نظام کو قابل قبول انداز میں پیش کرنے کے لیے تاتاریوں، عباسیوں، اُمویوں اور طاؤس و رباب کے رسیا حکمرانوں بالخصوص آصف الدولہ اور برامکیوں کی رقاصاؤں کا تذکرہ کیا ہے، جن پر زرِ کثیر خرچ کیا جاتا تھا، بھلے ہی عوام بھوک و ننگ کے کرب میں مبتلا تھے۔ ایک طرف شاہی جابر روایتی نظام کو ہدفِ تنقید بنایا ہے تو

دوسری طرف سوشلسٹ نظام کو مقامی ضروریات اور تہذیب و تمدن بالخصوص صوفیانہ رنگت اور سانچے میں ڈال کر پیش کیا ہے۔

سمیع آہو جا نے ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ تنقید اورنگ زیب عالمگیر کی پالیسیوں پر کی ہے۔ مغل فرمانرواؤں نے عیش و عشرت کا سامان تو کیا اور فتاویٰ عالمگیری بھی لکھوالیا مگر جہازی اور بحری دفاع کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ کلکتہ کی زمین اورنگ زیب عالمگیر کی منظوری سے انگریزوں کو بیچی گئی تھی اور بانڈی چڑی کی زمین بھی مغلوں نے فرانسیسیوں کو بیچی تھی۔ اس لیے انگریز سمندری راستوں سے ہندوستان پر قبضہ جمانے کے لیے اسلحہ اور فوج جمع کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز نے ہندوستان کے باقی ماندہ علاقوں پر آسانی سے قبضہ کر لیا، لیکن اسے پنجاب اور سرحد میں پیر جمانے میں کٹھنائی کا سامنا کرنا پڑا۔ پنجابی تہذیب کی بو باس بھی سمیع آہو جا کے افسانوں کا موضوع ہے۔ بہر حال انہوں نے اپنے طویل افسانے "قید در قید" میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد بادشاہی سے لے کر مشرف مارشل لاء تک کے اہم تاریخی واقعات کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں انہوں نے تاریخ کی گمشدہ کڑیوں کو جوڑ کر برصغیر میں سامراجی ہتھکنڈوں کے خلاف مسلمانوں کی کامیاب مزاحمت کو بھی بیان کیا ہے۔ پنجاب کے لوگوں نے انگریزوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ بالخصوص سکھوں نے جلیانوالی نزد گجرات کی جنگ میں انگریز فوجیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے، جسے اب تک وہ نہیں بھولے۔ بالآخر انگریزوں کے تلوے چاٹ مقامی غداروں کی وجہ سے پنجاب پر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ اس افسانے میں اینگلو سکھ لڑائیوں اور سید احمد بریلوی کی تحریکِ مجاہدین کا ذکر بھی ہے۔ پاکستان کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کو بھی موضوع بناتے ہوئے یہ باور کرایا گیا ہے کہ ہم غلامی کی زنجیروں میں پے در پے جکڑے ہوئے ہیں۔ اس میں ہماری جسمانی غلامی اور ذہنی غلامی دونوں شامل ہیں۔ صدیوں سے انسان جس غلامی سے دوچار رہا ہے وہ آج بھی مغربی سرمایہ کاروں کے گماشتوں کے ذریعے اپنی نئی صورت میں موجود ہے۔ روشن خیالی کے اس دور میں بھی گلوبلائزیشن کے نام پر تیسری دُنیا کو غلامی کے شکنجوں میں جکڑ رکھا ہے۔ عام آدمی کا ہر طرح سے استحصال اس غلامانہ نظام کا شاخسانہ ہے۔ کسی کے بھی دور حکومت میں انسانوں کو اس قید سے رہائی نہیں ملی۔ آزادی کے بعد بھی سرمایہ کاروں کی جمہوریت اور فوجی آمریت کی شکل میں عوام کی غلامی بر قرار رہی ہے۔ موجودہ دور میں غیر ملکی مداخلت کی ایک اہم چال قرضوں کی فراہمی کا بوجھ ہے جو تیسری دُنیا کے ممالک کو اپنی غلامی میں جکڑے رہنے کا ایک نیا حربہ ہے۔ سمیع آہو جا کے افسانوں میں غلام سماج کی زبان اور تہذیب کے چھن جانے کا المیہ بھی موجود ہے:

"اب تو سب ہی کچھ لُٹ گیا، آزادی کی خواہش و خواب، تہذیب و تمدن و ثقافت، ارے دن دھاڑے لُٹ گیا سب کچھ، اب ظالم و مظلوم کی پرکھ کا کون ترازو آویزاں کرے گا، اب تو لاطینی امریکا، افریقا اور ایشیا کے تمام تر لوگ غلام در غلام، انبوہ در انبوہ، اپنا ہی ملک اک بڑا قید خانہ اور اپنا گھر تو وہ اپنا کہاں، آقا کے بحکم گھر بازار کھیت کھلیان ہوا پانی اور نیلا آسمان، سب کچھ بندی خانہ اور ہم سب نہ نظر آتے آقا کے روبرو ہاتھ باندھے، سر جھکائے قیدی کھڑے تھے۔"(۶)

برصغیر پاک و ہند میں تیموری حکمرانوں کی عیاشی، ہوس ملک گیری، باہمی جنگ و جدل اور نااتفاقی کے نتیجے میں انگریزوں کو یہاں پاؤں جمانے کا موقع ملا۔ افسانہ نگار نے اورنگ زیب عالمگیر کی دکن پالیسی پر بھی سخت تنقید کی ہے اور اسے شاہ سرمدؒ کے قتل کا مرتکب بھی قرار دیا ہے۔ دراصل یہاں کے حکمران عوام کی فلاح و بہبود، علوم و فنون کی ترویج اور ملکی دفاع کے استحکام کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتتے رہے، چنانچہ تجارت کی آڑ میں فرنگیوں نے (GOA) اور بنگال میں اپنی کوٹھیاں قائم کرلیں۔ جہاں وہ سکیورٹی کے نام پر جدید اسلحہ اور فوج جمع کرتے رہے۔ نواب سراج الدولہ نے انگریز سامراج کے خلاف بھرپور مزاحمت کی جو بالآخر جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء میں میر جعفر جیسے غداروں کی سازشوں سے کامیاب نہ ہو سکی۔ دہلی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برائے نام مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو اور اودھ کے نواب واجد علی شاہ کو بھی اقتدار سے ہٹا دیا گیا۔ لہٰذا ہندوستانیوں کو برطانوی استعمار کی طویل غلامی برداشت کرنی پڑی۔ اس دوران انگریز اپنے مراعات یافتہ جاگیرداروں کے ذریعے مقامی لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاتے رہے۔ سمیع آہوجا نے جہاں مفاد پرست جاگیرداروں، نوابوں اور حکمرانوں کو انگریزوں کے خُصّیہ بردار کہا ہے وہاں فرنگیوں کو بھورے بھیڑیے، سمندری نہنگ، انگلو سکیسن ڈشکرے اور اروپائی لٹیرے جیسے القابات سے موسوم کیا ہے۔ ان تمام مذکورہ تاریخی سچائیوں کو فاضل افسانہ نگار نے "کمپنی صاحب بہادر کے لادو خچرو! باڑ کو مت روکو...... ! ورنہ...... !" کا موضوع بنایا ہے۔ سمیع آہوجا نے بائیں بازو کی تحریک سے ذہنی وابستگی کی بنا پر اس اُمید کا اظہار بھی کیا ہے کہ ہندوستان میں عنقریب چینی اعانت سے بنگال کے راستے نئی تبدیلی آنے کو ہے۔ انہوں نے غیر ملکی کٹھ پتلیوں کو متنبہ بھی کیا ہے کہ وہ آنے والے سرخ انقلابی ریلے کی راہ میں مزاحم نہ ہوں ورنہ ان کا انجام عبرت ناک ہو گا: "اس بار انقلاب شنگہائی پیکنگ سے ہوتا کولکتہ سے ہی جنم لے گا...... بس اتنی ہی میری رونمائی ہے۔"(۷)

ہندوستان میں برطانوی سامراجی ہتھکنڈوں سے بڑے پیمانے پر ہونے والی لوٹ کھسوٹ کی داستان "پیر تسمہ پا" میں بیان ہوئی ہے۔ سمیع آہوجا نے اس موضوع کی مناسبت سے مقامی لوگوں کے ہونے والے استحصال کی مختلف صورتوں کو بیان کیا ہے۔ فرنگیوں نے تجارت کی آڑ میں کن کن حربوں سے یہاں کے عوام کو اپنا غلام بنایا۔ انہوں نے مغل حکمرانوں سے کس طرح تجارتی مراعات حاصل کیں اور اس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے حیلے سازی اور چالبازیوں کے ذریعے عظیم تر ہندوستان کے وسائل اور اقتدار پر قبضہ کیا۔ اس کے نتیجے میں پہلے سے یہاں کامیاب صنعتی، تعلیمی، زرعی، ثقافتی اور سیاسی نظام تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس سے عام ہندوستانی بدحال ہو کر رہ گئے۔ اس استعماری نظام سے ایک مراعات یافتہ کاسہ لیس غداروں کا طبقہ وجود میں آیا۔ انہوں نے اپنے ہی لوگوں پر بہت ظلم کیا اور مختلف طریقوں سے ہندوستانیوں کا استحصال کروایا۔ ان سے پہلے بیرونی حملہ آوروں میں صرف مغلوں نے ہندوستان کو اپنا مسکن سمجھتے ہوئے یہاں کی دولت کو یہاں ہی رکھا، جبکہ انگریز نے یہاں کی ساری دولت کو لوٹ لاٹ کر انگلستان منتقل کر دیا۔ ہندوستانیوں میں "ڈیوائڈ اینڈ رول" کی پالیسی کے تحت مذہبی و لسانی اور نسلی تفریق پیدا کی۔ جدید فرنگی نظامِ تعلیم نے ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جو اب بھی استحصالی عزائم کی تکمیل میں دن رات لگا ہوا ہے۔ اسی غلامانہ تربیت اور ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ عام آدمی کی حالت زار تبدیل نہیں ہو رہی۔ فاضل افسانہ نگار نے اس بات کا اظہار بھی کیا ہے کہ اشتراکی نظام کی آمد فرنگی راج کے سمٹ جانے کا باعث بنی، لیکن یورپی استعمار نے نئی شاطرانہ پالیسی کے ذریعے نیو کلونیل نظام مسلط کر دیا جس کے تحت ملٹی نیشنل کمپنیاں یہاں کے وسائل کو بے دریغ لوٹنے میں مصروف ہیں۔ آخر میں افسانہ نگار تاریخ کے ذریعے خود احتسابی کی دعوت دیتا ہے۔ انہوں نے سامراجی نظام کو "پیر تسمہ پا" قرار دیا ہے۔ الف لیلوی داستانوی تلمیح کا استعمال اس خیال کے تحت کیا گیا ہے کہ سندباد جہازی نے تو پیر تسمہ پا کو انگوری شراب پلا کر گلو خلاصی کروالی تھی مگر یہ یورپی سرمایہ دارانہ نظام سے جان چھڑانا بہت مشکل ہے۔

سمیع آہوجا کے جن افسانوں میں ہندوستان پر فرنگی سامراج کے استحصالی حربوں اور اس نظام کی باقیات کو بیان کیا ہے ان میں انہوں نے غداروں کے اس طبقے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جس نے مقامی آبادی کی پشت پر غداری کا خنجر گھونپا۔ اس غداری کے محرکات زرپرستی، مادی منفعت، حصول جاگیر، اپنے خاندان کے لیے خطابات اور القابات، خوشامدی جبلت کی تسکین، ضمیر فروشی، جسم فروشی، اپنے ہی لوگوں پر خدا بننے کا شوق ہیں۔ اسی طرح غداری کی دوسری صورت خود غرضی کی غلامی میں مبتلا ہو کر اپنی جاگیروں کے بچاؤ میں قومی ہمدردی سے بے پرواہونا

ہے۔ یعنی غداری کے سرچشموں میں خوف کا عنصر بڑا نمایاں ہے۔ مگر سمیع آہو جا نے غداری کی پہلی صورتوں کو اپنے افسانوں میں بے نقاب کیا ہے:

> "گوراچٹا، منہ چِت لگتا جاجو کنجر، اپنی ماں اور بہن کے ساتھ نوٹنکی میں گلا پھاڑ کر کوئی سی بھی دل خراش کتھا سناتا اور سامعین کو بے طرح رُلاتا۔ کھیل ختم ہوتے ہی متمول گاہکوں سے ماں بہن کا رات بھر کا سودا کرتے پیشگی رقم اینٹھ لیتا، اور وہ دونوں جو اپنی چُرت چالاکی سے گاہک سے بٹور لیتیں، وہ اُن ہی کی ملکیت ہوتی...... بس یہ یاد رکھو کہ صاحب کی اور میم صاحب کی مالش کرتے اور ماں بہن دونوں ہی صاحب اور اُن کے مہمانوں کا بستر گرم رکھنے پر دلی دربار کے موقع پر، اسے پنجاب میں ہی گھوڑا پال اور فوجی بھرتی کے نام پر پانچ مربع زمین مل گئی اور کتابوں میں ظہور جی ٹی ایم کی پکی پکی خاندانی مہر لگ گئی۔ جی ٹی ایم یعنی جاجو ٹور ٹریفک مساجر، اب یہ تو راز کی ہی بات ہے نا، اعجاز کا باپ تو دس جماعتوں کا سند یافتہ، مگر اپنے اکلوتے بیٹے کو اعلیٰ عہدے پر پہنچانے کے لیے تعلیمی سلاخ پر اُسے پروئے سرخ کیے رکھا اور آخر کار اس کی کاسہ لیسی اور محنت رنگ لے آئی اور اعجاز جی ٹی ایم، آئی سی ایس میں کامیاب اور محکمۂ انصاف میں متمکن، غرور لبریز فیصلوں پر امضاء کرتے اور مجھ جیسے جھوٹے سچے ملزم سے مجرم بناتے، عدل کے نام پر سلاخوں کے بوسوں کا جال پھیلاتے...... ان بندی خانوں میں محنتی وجود گلاتے، عادی مجرموں میں ڈھالتے، اس کی سرپنچ بنتے عمر کی کشتی شکستہ ہو ہی گئی، مگر بندی وانوں میں کوئی کمی نہیں۔"(۸)

ایسی ہی صورتحال ''مچلکہ حفظ امن'' میں ملتی ہے۔ اس افسانے کا موضوع فرنگی دور حکومت میں دو مظلوم اور شریف خاندانوں پر مقامی غداروں کا ظلم و ستم اور تشدد ہے۔ اس میں بوڑھی خان کا کردار انگریزوں کے جدی پشتی کاسئہ لیس، حرام کار اور ظالم طبقے کا ہے۔ جو نسل در نسل بدکرداری اور غداری کی مثال ہے۔ نوری کا کردار معصوم ستم رسیدہ عورت کا کردار ہے جس کی زمین، جائیداد اور گھر کے افراد بوڑھی خان جیسے غداروں کے ظلم کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ روسی بھی ظلم کا شکار ہونے والا کردار ہے جس کا سب کچھ حسد، بغض اور دشمنی کی نذر ہو جاتا ہے۔ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی ظالم کا ساتھ دیتے ہیں اور مظلوم کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ یعنی

یہ ادارے جن میں تھانے اور عدالتیں شامل ہیں، ظالم اور جابر کو سزا دینے کی بجائے اس کے بچاؤ اور تحفظ کی جگہیں بن گئی ہیں۔ سمیع آہوجا غداروں کے خاندانی پس منظر کو جس مؤثر انداز میں بیان کرتے ہیں اس کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

> "گوری سرکار کے نئے لشکر کے جرنیل کو اسی کالا خان کی رسد کی راہوں کی نشاندہی کرتے، بوڑھی خان کے جد کی مخبری پر کالا خان کو اپنے بھوکے پیاسے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ دریائے سوان میں چھلانگ لگانی پڑی، اور اسی مخبری کے صلے میں آدھے ذخیرے کی ملکیت سمیت کٹائی کی تمام لکڑی اور بوڑھی احاطے میں حویلی کھڑی کرنے کی سو سالہ لیز پر اجازت، اور سارے ذخیرے کی کٹائی اور وہی ساری زمین گھوڑا پال کے نام پر ملی کہ بوڑھی خان کے باپ نے غدر کے زمانے میں بڑی چھاونی کے ڈپٹی کے سارے خاندان کو قتل وغارت کے ایام میں باغی سورماؤں سے چھپائے رکھا، پناہ دینے اور محافظت کے بدلے میں ذخیرے والی زمین میں سے دو مربع زمین اور کچھ زرِ نقد بھی ملا، اور چیتڑ کی کٹی لکڑی ہاتھ لگی وہ الگ، اور پھر بوڑھی کی ماں اور اس کی دونوں جمیل و شکیل پھوپھیوں کی مدتوں کیف آگیں کرنے کی نشہ آوری، کہنے والوں نے تو یہ بھی کہا کہ بوڑھی خان اُسی گورے ڈپٹی کی افزائش نسل ہے، اور وہ مدتوں بڑی چھاونی کے چرچ کالج میں پلتا رہا۔" (۹)

بہر حال انگریز سامراج کی مکاری، غداروں کو نوازنے اور مجبور و مقہور لوگوں کو مزید دبانے کی کوششیں اس افسانے کا بنیادی موضوع ہے۔ فاضل افسانہ نگار نے ''جریبِ سورمائی پر اک دلبری ضرب'' میں دوسری عالمی جنگ میں ہٹلر کی روس پر چڑھائی کے نتیجے میں دو بڑی طاقتوں یعنی اتحادی طاقت اور محوری طاقت کے مدمقابل ہونے کے تباہ کن نتائج بیان کیے ہیں۔ اس میں فاشٹوں کے ہاتھوں روس کو بہت جانی و مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود برطانوی سامراج کے سر پر روس کی طرف سے امڈ تا اشتمالیت پسندی کا خطرہ کم ہونے کی بجائے اور زیادہ ہو گیا۔ یہی وہ خطرہ تھا جس کی وجہ سے فرنگی سامراجی نظام کو ہندوستان سے اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ سمیع آہوجا نے دوسری عالمی جنگ میں بھی روس کو دفاعی پوائنٹ آف ویو سے دیکھا ہے۔

سمیع آہو جا دُنیا میں رائج الوقت شہنشاہیت طرز کے تمام نظام ہائے حکومت (جنہوں نے انسانوں کو آقا اور غلام کے طبقاتی دائروں میں بانٹ دیا ہے) کی جگہ اشتراکی طرز حکومت کو خلقِ خدا کی بقا کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے تیسری دنیا کی سر زمین کو روندتے غارتگروں کے فولادی قدموں کی تھاپ بھی سنائی ہے۔ انہوں نے مظلوم انسانوں کی گرتی لاشوں پر جبر و استبداد کے بھوت کو رقص کرتے بھی دکھایا ہے۔ انہوں نے محنت کشوں کے بدنوں کی تجارت کرنے والے ہاتھوں اور تیسری دنیا کے وسائل پر قابض استحصالی ہتھکنڈوں کو بھی دکھایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، (جہت نمائی (افسانوی ادب کے مطالعے)، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۵ء) ، ص:۵۵

۲۔ سمیع آہو جا، (ننانوے کے پھیر میں، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص:۱۰۴۲

۳۔ ایضاً، ص:۱۰۴۳

۴۔ ایضاً، ص:۸۱

۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، (اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء)، ص:۷۶۷

۶۔ سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص:۲۲۰

۷۔ ایضاً، ص:۷۱۲

۸۔ ایضاً، ص:۹۳۰۔۹۳۱

۹۔ ایضاً، ص:۹۵۵